حج اور عیدالاضحیٰ
اور ان کی اصل روح
قرآن حکیم کے آئینے میں

از قلم
ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام کے پانچ ارکان میں سے اوّلین اور اہم ترین تو بلاشبہ کلمۂ شہادت ہے جو ایمان کے قانونی پہلو یعنی "اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ" کا مظہر ہے، بقیہ چار عبادات مختلف صورتوں پر مشتمل ہیں یعنی 'اِقَامَۃُ الصَّلٰوۃ' یا فرض نمازوں کی پابندی 'اِیْتَاءُ الزَّکٰوۃ' یا صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی۔ 'صَوْمُ رَمَضَانَ' یا ماہِ رمضان مبارک کے روزے اور 'حَجُّ الْبَیْتِ' یا بیت اللہ شریف کا حج!

ان کے مابین ایک دلچسپ تقسیم تو اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے دو ہر مسلمان پر لازم ہیں خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب یعنی صلٰوۃ وصوم اور دو صرف کھاتے پیتے مسلمانوں پر فرض ہیں یعنی زکٰوۃ صرف صاحبِ نصاب پر اور حج صرف صاحبِ استطاعت پر ــــــ لیکن ایک دوسری اور نمایاں تر تقسیم اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے دو یعنی صلٰوۃ وزکٰوۃ بقیہ دو کے مقابلے میں قدرے اوّلیت و اقدمیت کے حامل بھی نظر آتے ہیں اور عظمت و اہمیت کے بھی۔ اس لئے بھی کہ قرآنِ مجید میں ان کا ذکر حد درجہ تکرار و اصرار کے ساتھ آیا ہے جبکہ حج کا ذکر کل تین بار آیا ہے اور صوم کا صرف ایک بار اور

اس لئے بھی کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کا تذکرہ مکی دور کے آغاز ہی سے شروع ہو جاتا ہے جبکہ صوم و حج کا ذکر صرف مدنی سورتوں میں ملتا ہے۔ مزید برآں بعض ان روایات میں بھی جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کے خاتمے کی کم از کم شرائط کا بیان ہے، شہادتین کے ساتھ صرف صلوٰۃ و زکوٰۃ ہی کا ذکر ملتا ہے، صوم و حج کا نہیں۔ مثلاً حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو طویل روایت احمد، بزار، نسائی، ابن ما وغیرہم نے نقل کی ہے اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارکہ ملتے ہیں کہ:

"اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ	مجھے حکم ہوا ہے کہ جنگ جاری رکھوں
حَتّٰی یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا	یہاں تک کہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
الزَّکٰوۃَ وَیَشْھَدُوْا اَنْ	ادا کریں اور گواہی دیں کہ اللہ کے سوا
لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا	کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے اور
شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا	اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ فَاِذَا	اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے بھی ہیں اور
فَعَلُوْا ذٰلِکَ فَقَدِ اعْتَصَمُوْا	رسول بھی۔ جب وہ یہ شرطیں پوری
وَعَصَمُوْا دِمَآءَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ	کر دیں تو وہ محفوظ ہو گئے اور انہوں
اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی	نے اپنی جانیں اور مال بچا لئے اِلّا آنکہ
اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ [1]	کوئی قانونی حق واقع ہو جائے۔ رہا

ان کے خلوص یا عدم خلوص) کا حساب تو وہ اللہ کے ذمّے ہے

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ شان و شوکت اور عظمت و اہمیت کی اسی ظاہری کمی کی تلافی کے لئے اسلام میں دونوں سالانہ تہواروں کو ان دو ارکانِ اسلام کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے: یعنی عید الفطر رمضان المبارک کے متصلاً بعد اور عید الاضحیٰ حج بیت اللہ کے ساتھ۔

---

[1] یاد ہوگا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ہی الفاظ سے استدلال کیا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کے معاملے میں۔

عیدالاضحٰی بلاشبہ حج ہی کی توسیع کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے کہ حج اس اعتبار سے ایک طرح کی محدودیت کا حامل ہے کہ اس کے تمام مراسم و مناسک ایک متعین علاقے یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے نواح ہی میں ادا کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے اس کے ایک رکن یعنی اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی کو وسعت دے دی گئی ہے تاکہ اس میں روئے زمین پر بسنے والا ہر مسلمان شریک ہو جائے اور یہی عیدالاضحٰی کی اصل حکمت ہے۔
سب جانتے ہیں کہ حج اور عیدالاضحٰی دونوں حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شخصیت ہی کے گرد گھومتے ہیں جن کی تعظیم و تکریم روئے زمین کے بسنے والوں کی دو تہائی تعداد کرتی ہے اور ان دونوں کے مراسم و مناسک ان کی حیاتِ طیبہ کے بعض واقعات کی یادگار ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طویل سفرِ حیات کا خلاصہ اور لُبِّ لُباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے: امتحان و آزمائش جس کے لئے قرآن حکیم کی اپنی جامع اصطلاح "اِبتِلاء" ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں ان کی پوری داستانِ حیات کو ان چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔

وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (البقرۃ : ۱۲۴)	اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے بہت سی باتوں میں تو اس نے ان سب کو پورا کر دکھایا۔

واضح رہے کہ قرآن حکیم میں انسان کی حیاتِ دُنیوی کی اصل غرض و غایت ہی ابتلاء و آزمائش بیان کی گئی ہے۔ بفحوائے الفاظِ قرآنی:

۱۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (الملک: ۲)	وہ جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سب سے اچھا عمل کے اعتبار سے۔
۲۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا (الدھر: ۲)	ہم نے پیدا کیا انسان کو ملے جلے نطفے سے آزمانے کو، لہٰذا بنایا ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا۔

بقول علامہ اقبالؒ ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب — اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اور انسان کی فلاح و کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی اور پروردگارِ حقیقی کی معرفت حاصل کرے اور اس کی محبت سے سرشار ہو جائے۔ جو گویا امتحان ہے اس کی عقل و خرد کا اور آزمائش ہے اس کے قلبِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کی ——— اور پھر پورے عزم و استقلال اور صبر و ثبات کے ساتھ قائم و مستقیم رہے اس کی اطاعتِ کُلّی اور فرمانبرداریٔ کامل[1] پر جو گویا امتحان ہے اس کے عزم اور حوصلے کا اور آزمائش ہے اس کی سیرت کی پختگی اور کردار کی مضبوطی کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی سب سے پہلے اسی عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کے امتحان سے سابقہ پیش آیا۔ انہوں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جس میں ہر طرف کفر اور شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے اور کہیں بتوں اور مورتیوں کی پوجا ہو رہی تھی تو کہیں ستاروں اور سیاروں کو پوجا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مطلق العنان بادشاہ بھی خدائی حقوق (DIVINE RIGHTS) اور کلّی اختیارات کے دعووں کے ساتھ کوسِ لِمَنِ الملک بجا رہا تھا۔ گویا شرکِ اعتقادی اور شرکِ عملی دونوں کے دل بادل ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کی شان کے ساتھ چھائے ہوئے تھے اور توحید کی کوئی کرن کہیں نظر نہ آتی تھی۔ اس ماحول میں آنکھ کھولنے اور پرورش پانے والے نوجوان نے جب یہ نعرہ لگایا کہ

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (الانعام:۷۹)	میں نے تو اپنا رخ پھیر دیا اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، ہر طرف سے یکسو ہو کر، اور

---

[1] یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۱ میں حضرت ابراہیم کے کل کارنامۂ حیات کا خلاصہ بیان کیا گیا۔ لفظ 'اسلام' کے ذریعے جس کے معنی ہی حوالگیٔ کامل اور سپردگیٔ کلّی کے ہیں:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝	جب کہا اس کے رب نے اس سے "حکم مان" فوراً کہا اس نے "میں نے مانا حکم تمام جہانوں کے پروردگارِ حقیقی کا۔"

میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنیوالا نہیں
تو کیا آسمان اور زمین وجد میں نہ آ گئے ہوں گے اور کون و مکان میں ہلچل نہ مچ گئی ہوگی۔ بقول علامہ اقبال ؒ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

اور کیا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" کی اس شہادتِ عظمیٰ پر ملاءِ اعلیٰ کی بزم "لامکاں" میں "میرِ محفل"[1] نے ایک بار پھر فتحمندانہ انداز میں نہ کہا ہوگا کہ۔
"إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ"

اسی کو تعبیر فرمایا گیا سورۂ صٰفّٰت میں ان الفاظ میں کہ

إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الصّٰفّٰت : ۸۴) — جب آیا وہ[2] (ابراہیمؑ) اپنے رب کے پاس ایک قلبِ سلیم کے ساتھ

عقل و فطرت کی اس آزمائش اور معرفتِ رب کے اس امتحان میں کامیابی کے فوراً بعد شروع ہو گیا "استقامت"[3] کی جانچ پرکھ کا ایک طویل اور جاں گسل سلسلہ جس میں ہر لحظہ امتحان تھا، ہر آن ابتلاء۔ ایک جانب ایک نوجوان تھا اور دوسری جانب پوری سوسائٹی اور پورا نظام۔ گویا "کشاکشِ خس و دریا" کا دیدنی نظارہ ـــ! عزم و ہمت کا وہ کونسا امتحان تھا جو اسے پیش نہ آیا، صبر و ثبات کی وہ کونسی آزمائش تھی جس سے وہ دوچار نہ ہوا، حوصلۂ تحمل و برداشت اور جذبۂ ایثار و قربانی کی جانچ پرکھ کا وہ کونسا طریقہ تھا جو اس پر آزمایا نہ گیا۔ گھر سے وہ نکالا گیا، معبد میں اس پر دست درازی ہوئی، سرِعام اس پر ہجوم کیا گیا، دربار میں اس کی پیشی ہوئی اور آگ میں وہ ڈالا گیا۔ بقول شاعر ؎

اس راہ میں جو سب پہ گذرتی ہے سو گذری — تنہا پسِ زنداں کبھی رسوا سرِ بازار!
کڑکے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر — گرجے ہیں بہت اہلِ حکم برسرِ دربار

---

[1] خدا خود میرِ محفل بود اندر لامکاں خسروؔ — محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم
[2] کیا یہ صوفیاء کی اصطلاح "سَیر اِلَی اللہ" کا قرآنی ماخذ نہیں ہے؟
[3] إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا ...... الخ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰)

لیکن نہ کبھی اس کے جوش اور ولولے میں کوئی کمی پیدا ہوئی نہ پائے ثبات میں کوئی لغزش! باپ سے " وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا " کی غیظ آمیز جھڑکی کھا کر بھی وہ پورے ادب و احترام اور پورے حلم و وقار کے ساتھ یہ کہتا ہوا رخصت ہوا :

سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۝ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝ (مریم : ۴۷ - ۴۸)	تم پر سلامتی ہو! میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے معافی کی درخواست کروں گا۔ حقیقتاً وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور میں اعلانِ برأت کرتا ہوں تم سب سے بھی اور ان سے بھی جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور میں تو

پکاروں گا صرف اپنے پروردگار ہی کو —— مجھے یقین ہے کہ میں اس کو پکار کر بے نصیب نہ رہوں گا!

دربار میں پیشی ہوئی تو ؎

نہ لا وسواس دل میں جو ہیں تیرے دیکھنے والے
سرِ مقتل بھی دیکھیں گے چمن اندر چمن ساقی

کے مصداق خدائے واحد و قہار کے پرستار نے دنیوی شان و شوکت، جاہ و جلال اور دبدبے اور طنطنے کو ذرّہ بھر بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے شہنشاہِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اعلان کیا :

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (البقرۃ : ۲۵۸)	میرا رب وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔

اور جب ربوبیت و اُلوہیت کے مدعیِ مغرور نے مناظرانہ رنگ میں کہا :

أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ	مجھے بھی زندہ رکھنے یا مار دینے کا اختیار حاصل ہے۔

تو پوری جرأتِ رندانہ اور شانِ بے باکانہ کے ساتھ ترکی بہ ترکی جواب دیا :

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (البقرۃ : ۲۵۸)	تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تجھ میں کچھ اُلوہیت ہے تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔

نتیجۃً اس کا فرمِ دود و مستمی نمرود کے پلے سوائے مرعوبی و مبہوتی کے اور کچھ نہ رہا۔
اور پھر جب پوری قوم، پوری سوسائٹی اور پورے نظام باطل نے اپنی شکست پہ جھنجلا کر اسے آگ کے ایک بڑے الاؤ میں ڈالنے اور جلا کر راکھ کر دینے کا فیصلہ کیا تب بھی اس کے عزم اور ارادے میں کوئی تزلزل نہ آیا اور عشق کی اس بلند پروازی پہ وہ عقل بھی انگشت بدنداں رہ گئی جس نے ابتداءً اسے خود ہی اس راہ پہ ڈالا تھا ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اور جب خدائے علیم و قدیر نے اسے آگ سے معجزانہ طور پر زندہ و سلامت نکال لیا تو اس نے یہ کہتے ہوئے کہ

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۝　　　میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔
(الصّٰفّٰت : ۹۹)　　　یقیناً وہ مجھے راہ یاب کرے گا

گھر بار اور ملک و وطن سب کو خیر باد کہا اور آباء و اجداد کی سرزمین کو بحسرت و یاس دیکھتا ہوا وہ اَن دیکھی منزل کی جانب روانہ ہو گیا تاکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کر سکے اور محض اسی کے نام کا کلمہ پڑھ سکے! حالانکہ اب زندگی کے اس دور کا آغاز ہو چکا تھا جس میں جوانی کا زور ٹوٹتا سا محسوس ہونے لگتا ہے اور کہولت کے آثار شروع ہو جاتے ہیں! بقولِ حالی ؎

ضعفِ پیری بڑھ گیا، جوشِ جوانی گھٹ گیا　　　اب عصا بنوائیے نخلِ تمنا کاٹ کر!!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کی پوری زندگی مسلسل مسافرت و مہاجرت کی داستان ہے۔ آج شام میں ہیں تو کل مصر میں، پرسوں شرقِ اردن میں ہیں تو اگلے روز حجاز میں، کوئی فکر ہے تو صرف اس کی اور دھن ہے تو محض یہ کہ توحید کا کلمہ سربلند ہو اور دعوتِ توحید کے لئے جا بجا مراکز قائم ہو جائیں۔ اپنی ان کوششوں میں وہ اس بوڑھے باغبان سے نہایت گہری مشابہت رکھتے ہیں جو جا بجا اپنے لئے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے باغ لگاتا پھر رہا ہو۔

جب بڑھاپے کے آثار کچھ زیادہ ہی طاری ہوتے محسوس ہوئے اور ادھر یہ نظر آیا کہ اولاد سے تا حال محرومی ہے تو فکر دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد اس مشن

کو کون سنبھالے گا۔ وطن سے ایک بھتیجے نے ان کے ساتھ ہی ہجرت کی تھی جسے شرقِ اردن میں دعوتِ توحید کی علمبرداری سونپ دی تھی۔ اللہ سے دعا کی "رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ" (الصّٰفّٰت: ۱۰۰) "پروردگار نیک وارث عطا فرما!" اور اللہ کی شان کہ خالص معجزانہ طور پر ستاسی برس کی عمر میں اللہ نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرما دیا اور وہ بھی ایسا جسے خود اللہ نے "غُلٰمٌ حَلِيْمٌ" قرار دیا۔

جیسے جیسے بیٹا بڑا ہوتا گیا گویا بوڑھے باپ کا نخلِ تمنّا دوبارہ ہرا ہوتا گیا، یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ کیسی جذباتی وابستگی بوڑھے باپ کو اس بیٹے سے ہو گی اور کیسی امیدیں اس نے اپنے دل میں اس کے ساتھ وابستہ کر لی ہوں گی، بیٹا برابر کا ہونے کو آیا تو گویا باپ کا دست و بازو بن گیا اور دونوں نے مل کر توحید کے عظیم ترین مرکز یعنی کعبۃ اللہ کی دیواریں اٹھائیں جسے قرآن نے "البیت العتیق" بھی قرار دیا اور "اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ" کا مصداق بھی۔

یہ مقدس معمارانِ حرم جن جذبات کے ساتھ تعمیر کر رہے تھے ان کی عکاسی قرآن حکیم کی ان آیات میں تمام و کمال کی گئی ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ (البقرہ ۱۲۷-۱۲۸)

اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے (تو کہتے جاتے تھے) پروردگار ہمارے! قبول فرما ہم سے (ہماری یہ خدمت) یقیناً تو سب کچھ سننے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی! اور اے رب ہمارے بنائے رکھ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار، اٹھا ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار امت۔

ادھر بوڑھا باپ اپنے جوان ہوتے ہوئے بیٹے کو دیکھ دیکھ کر جی رہا تھا ادھر قدرت مسکرا رہی تھی۔ اس کے ترکشِ امتحان میں ابھی ایک تیر باقی تھا۔ دل کو چھید جانے والا اور جگر سے پار ہو جانے والا تیر! گویا ابھی آخری آزمائش باقی تھی، محبت اور جذبات کی آزمائش، اور ایک امتحان باقی تھا، امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا امتحان۔

حکم ہوا اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ زمین پر سکتہ طاری ہو گیا، آسمان لرز اٹھا لیکن نہ بوڑھے باپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش پیدا ہوئی نہ نوجوان بیٹے کے صبر و تحمل میں کوئی لرزش! دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بقول سرمد:

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا سر برضائے دوست می باید داد — یا قطع نظر زیار می باید کرد

یہ دوسری بات ہے کہ عین آخری لمحے پر رحمتِ خداوندی حکمتِ امتحان پر غالب آگئی اور بوڑھے باپ کی امتحان میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا بغیر اس کے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا ذبح شدہ لاشہ فی الواقع اپنی آنکھوں سے دیکھے۔
سورہ الصّٰفّٰت میں کتنے قلیل الفاظ میں صورتِ حال کی کتنی مکمل تصویر کھینچ دی گئی ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ	توجب وہ (بیٹا) اس (باپ) کیساتھ
اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ	بھاگ دوڑ کرنے کے قابل ہوا تو اس
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ	نے کہا "میرے بچے! میں خواب میں
مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ	دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں
مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ	تو تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے
تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ	جواب دیا "اباجان! کر گزریئے جو حکم
يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ	آپ کو مل رہا ہے۔ آپ انشاءاللہ مجھے
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○	صابر ہی پائیں گے" پھر جب دونوں
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ○	نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس نے اسے

پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو ہم نے پکارا "اے ابراہیم! (بس کر) تو نے خواب پورا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں نیکو کاروں کو۔ یقیناً یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی"۔ (الصّٰفّٰت: ۱۰۲ تا ۱۰۶)

گویا جس کا امتحان لیا جا رہا تھا اس نے ہمت نہ ہاری ممتحن ہی کو بس کرنا پڑی۔ جس نے نہ صرف یہ کہ اس وقت بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی بطور فدیہ قبول کر لی بلکہ اس کی یادگار کے طور پر ہمیشہ ہمیش کے لئے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا بلفوائے الفاظِ قرآنی:

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَ	اور اس کے بدلے میں دی ہم نے
تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○	ایک بڑی قربانی اور پکا رکھا ہم نے

اس رحلت، پر پچھلوں میں۔ (الصّٰفّٰت : ۱۰۷-۱۰۸)

اور اس طرح امتحان اور آزمائش کی ایک طویل داستان کمال کو پہنچی اور عقل و فطرت کی سلامتی اور سیرت و کردار کی پختگی کی کٹھن جانچ پرکھ اور جذبات و احساسات کے ایثار اور محبت کی قربانی کے مشکل امتحانات سے گذر کر اللہ کا ایک بندہ ایک طرف خُلّتِ الٰہی کی خلعت سے سرفراز ہوا اور دوسری طرف امامت الناس کے منصب پر فائز ہوا۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ ۝ كَذٰلِكَ	سلام ہو ابراہیم پر! اسی طرح ہم بدلہ
نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ	دیتے ہیں نیکوکاروں کو، یقیناً وہ
عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝	ہمارے صاحبِ یقین بندوں میں سے تھا۔

اور بقول علامہ اقبال ؎

چوں می گویم مسلمانم ، بلرزم — کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

گویا یہ ہے ایک سچّے مسلمان کی زندگی کی کامل تصویر اور 'ایمانِ حقیقی' کی صحیح تعبیر بقول مولانا محمد علی جوہر ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

سورۂ حج میں حج کے دو ہی بنیادی ارکان کا ذکر ہے[1]۔ ایک اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی اور دوسرے طوافِ بیت اللہ اور ان میں سے بھی زیادہ زور اور تکرار و اصرار قربانی ہی پر ہے۔ بمصداق آیات مندرجہ ذیل:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا	اور صدا لگا لوگوں میں حج کے لئے کہ
وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ	آئیں تیرے پاس پا پیادہ یا دور دراز
عَمِیْقٍ ۝ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ	سے گہری وادیوں میں سے ہو کر آنے
یَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ	والے دُبلے اونٹوں پر۔ تاکہ حاضر ہوں
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ	اپنے منافع کے مقامات پر اور لیں اللہ
فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ	کا نام معیّن دنوں میں، ان جانوروں
الْفَقِیْرَ ۝ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ	کو ذبح کرتے ہوئے جو ہم نے ان کو
وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا	دیئے ہیں۔ پھر کھاؤ ان میں سے خود بھی

---

[1] حج کے بقیہ مناسک کا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ کی آیات ۱۹۶ تا ۲۰۳ میں ہے

بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○
(الحج : ۲۷ تا ۲۹)

اور کھلاؤ بیکسوں اور محتاجوں کو بھی پھر وہ دور کریں اپنا میل کچیل، اور پوری کریں اپنی نذریں اور چکر لگائیں ہمارے قدیم گھر کا۔

۲ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ؕ
(الحج : ۳۴)

اور ہر امت کے لئے مقرر کر دیا ہے ہم نے قربانی کا سلسلہ، تاکہ لیں نام اللہ کا ان چوپایوں کو ذبح کرتے ہوئے جو عطا کئے ہیں ہم نے ان کو۔

۳ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
(الحج : ۳۶)

اور کعبے کی نذر کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں سے ٹھہرایا ہے۔ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے، سو لو نام ان پر اللہ کا ان میں قطار میں کھڑا کر کے، پھر جب گر جائیں وہ کروٹ کے بل تو کھاؤ ان میں سے خود بھی اور کھلاؤ صابروں اور بیقراروں کو بھی! اسی طرح ہم نے دے دیا ہے ان کو تمہارے بس میں تاکہ تم شکر کرو اللہ کا

ان میں سے جہاں تک طواف بیت اللہ کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ وہ تو صرف مکہ مکرمہ ہی میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ قربانی کو عید الاضحیٰ کی صورت میں روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے لئے عام کر دیا گیا جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی راہ اختیار کر کے گویا ابراہیمؑ ہی کی معنوی ذریّت میں شامل ہو گئے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کا کوئی صلبی و نسلی تعلق ان سے ہے یا نہیں۔ چنانچہ ایک روایت کی رو سے جسے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد ابن حنبل اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے اپنی اپنی مسند میں نقل کیا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! ان قربانیوں کی نوعیت کیا ہے؟" تو جواباً آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنّت ہے!" —— گویا بھیڑوں، بکریوں، گایوں اور اونٹوں کی قربانی اصلاً علامت کی حیثیت رکھتی

ہے اطاعت و فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد اور اس پر مداومت و استقامت کی اس روح کے لئے جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری شخصیت میں رچی بسی ہوئی تھی اور ان کی پوری زندگی میں جاری و ساری رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں متذکرہ بالا آیات کے متصلاً بعد ہی متنبہ فرما دیا گیا تھا کہ:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا	اللہ تک نہیں پہنچتا ان قربانیوں کا گوشت یا خون
وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج: ۳۷)	ہاں اس تک رسائی ہے تمہارے تقویٰ کی

یہ دوسری بات ہے کہ جس طرح ہم نے دین کے دوسرے تمام حقائق کو محض رسموں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے جس کا مرثیہ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں کہ ؎

رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی — فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اسی طرح قربانی کی روح بھی آج نام نہاد مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کے عمل ہی سے نہیں وہم و خیال سے بھی غائب ہو چکی ہے اور اب اس کی حیثیت بعض کے نزدیک محض ایک رسم کی ہے اور اکثر کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر صرف ایک قومی تہوار کی۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہر سال پندرہ لاکھ سے بھی زائد کلمہ گو حج کرتے ہیں اور بلا مبالغہ کروڑوں کی تعداد میں جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے لیکن وہ روحِ تقویٰ کہیں نظر نہیں آتی جس کی رسائی اللہ تک ہے! بقول علامہ اقبال مرحوم

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے — وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج — یہ سب باقی ہے، تو باقی نہیں ہے

کاش کہ ہم جرأت کے ساتھ موجودہ صورتِ حال کا صحیح تجزیہ کر سکیں اور اصل روحِ قربانی کو اپنی شخصیتوں میں جذب کرنے پر کمر ہمت کس لیں، اور عیدِ قربان پر جب اللہ کے لئے ایک بکرا یا دنبہ ذبح کریں تو ساتھ ہی عزم مصمم کر لیں کہ اپنا تن، من، دھن اسی کی رضا پر قربان کر دیں گے ___ گویا بقولِ شاعر ؎

"میرا سب کچھ میرے خدا کا ہے"

اور بمصداق الفاظِ قرآنی:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝